© rasailojaraid.com

رُوداد ِ ابتلاء : احمد رائف مصری

ترجمہ جناب خلیل الحامدی

(۶)

مجھ سے کھڑا نہ ہوا گیا۔ میری پنڈلیاں سُن ہو چکی تھیں اور پاؤں زمین پر نہ جم سکتے تھے۔ زدوکوب کا حملہ اور سخت ہو گیا۔ ٹھوکروں اور گھونسوں نے مزید شدت اختیار کر لی تاکہ میں ان کے احکام کی تعمیل کروں اور "اصلاحِ احوال" کے لیے قدم بھروں جس کا برابر مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ بڑی جد و جہد کے بعد میں پاؤں کے بل کھڑا ہو گیا۔ میجر نے گلا پھاڑ کر حکم دیا کہ میں تیز تیز چلوں۔ اور جب میں چل پڑا تو میرے قدموں نے محسوس کیا کہ وہ کسی ایسے تختے میں کھبتے جا رہے ہیں جس پر بڑی تعداد میں بڑے نوکدار کیل لگے ہوئے ہوں۔ میں مارے درد کے چلا اُٹھا اور آخر کار بے تاب ہو کر زمین پر گر گیا۔ پہلے روز مجھے جو المناک سزا دی گئی یہ اس کا آخری باب تھا۔

ابوزعبل کی جیل میں تعذیب یا تفتیش یا دونوں چیزیں ہمہ گیر شروع ہو گئیں۔ یہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ یہ تفتیش صبح گیارہ بجے شروع ہوتی تھی اور آدھی رات تک جاری رہتی۔ پھر میجر صاحبان لیفٹیننٹ کرنل صاحبان، کرنل صاحبان، یعنی اربابِ تفتیش و تحقیق گھروں کو چلے جاتے اور نظر بندوں کو کچھ اور لوگوں کے سپرد کر جاتے جو انہیں کل کی تفتیش کے لیے تیار کریں۔ اگلے روز دس بجے صبح یہ سب حضرات پھر ڈیوٹی پر آجاتے۔

دو روز کے بعد یہی طریق کار مستقل حیثیت اختیار کر گیا۔ میں جب بیرک واپس آیا تو وہ کئی اور افراد سے بھر رہی تھی۔ نئے نظر بند لائے جا چکے تھے۔ جو بیرک تیس افراد سے زیادہ کی وسعت نہ رکھتی تھی اس میں دگنے افراد بھر دیے گئے۔ میں اپنے بوریے پر اوندھے منہ آگرا۔ میرے بوریے کا رقبہ تفتیش کے لیے جانے سے قبل جو کچھ تھا اُس میں بہت کمی آچکی تھی۔ مختلف شہروں سے لوگ لائے جا چکے تھے۔ ان میں سے ہر ایک پر جو کچھ گزر چکی تھی اور جو اب گذر رہی تھی اُس سے بے حد خوف زدہ، بدحواس اور وارفتہ ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چکا تھا۔

اگلے روز مجھے پھر اُسی طریقہ سے اُسی غیر مانوس جگہ لے جایا گیا۔ اس مرتبہ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق تازیانوں اور زدوکوب سے تفتیش کا آغاز نہیں کیا۔ میری دونوں آنکھیں بند تھیں۔ میرے کان بے شمار آوازوں اور حرکتوں کو اخذ کر رہے تھے۔ یہ صاف سمجھ میں آرہا تھا کہ اس جگہ کے اندر جو جیل سے باہر ہے غیر معمولی نوعیت کی کوئی چیز موجود ہے۔ دریں اثنا کہ مجھے کسی طرف لے جایا جا رہا تھا ایک شخص نے میری گدّی پر مکّہ مارا۔ مجھے سخت ہراس اور قلق لاحق ہوا۔ مکّے سے نہیں، بلکہ اس بات سے کہ میں نے سُنا کہ ایک افسر نے مکّہ مارنے والے کو اس حرکت سے روک دیا ہے۔ مجھے تعجب ہوا اور اُس وقت میں یہ اندازہ نہ کر سکا کہ افسر مذکور نے اُسے کیوں منع کیا ہے۔ ایامِ نظربندی میں میں نے پہلی بار زدوکوب سے منع کرنے کی آواز سُنی۔

میجر ف۔ ع آیا۔ میں نے اُسے آواز سے ہی پہچان لیا۔ مجھے کہنے لگا،

مسٹر رائف مجھے افسوس ہے، میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہارے ساتھ یہ صورتِ حال پیش آئے۔ مگر کیا کریں مسلح افواج کے ہیڈ کوارٹر کی طرف سے یہی ہدایات موصول ہوئی ہیں۔

میں نے کہا، آپ کی مراد کیا ہے؟

دھمکی آمیز لہجہ میں وہ کہنے لگا: ہمارے پاس ایک فہرست آئی ہے جس میں کچھ نام ایسے ہیں......

میں کچھ دیر کے لیے چپ رہا اور پھر کہا: "میں آپ کی بات سمجھ نہیں سکا"؟

وہ بولا: "بعض نام (فہرست میں) ایسے ہیں جن کو سزائے موت دینے کا حکم ملا ہے۔ اس فہرست پر جناب فیلڈ مارشل عبدالحکیم عامر کے دستخط موجود ہیں۔

آپ کا مطلب؟

جن لوگوں کو سزائے موت دی جانے والی ہے اُن میں تمہارا نام سرفہرست ہے۔

کیا یونہی مقدمہ چلائے بغیر......؟

مقدمہ سے آپ کی کیا مراد ہے؟ یقین جانیے یہ سب باتیں بالکل فضول ہیں۔

میں نے عرض کیا: تختۂ دار پر کب لٹک جانا ہوگا۔

جواب ملا، ابھی......

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجھے دُور سے دوڑ کر آنے والے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ کوئی شخص قریب ہوا۔ اور ہانپتے ہانپتے پوچھنے لگا: وہ کہاں ہیں جن کے بارے میں سزائے موت کا فیصلہ ہوا ہے؟ میجر ف۔ ع نے میرا بازو پکڑ کر کہا کہ یہ صاحب اُن پچاس افراد میں سے پہلے نمبر پر ہیں جو آج تختۂ دار پر لٹکائے جائیں گے۔ میجر نے مجھے اس غیر مانوس شخص کے حوالے کر دیا۔ اور وہ مجھے چند قدم کے فاصلے پر آگے لے گیا ——— میں طرح طرح کے خیالات میں ڈوب گیا: "کیا میری زندگی کا آج خاتمہ ہو جائے گا؟ ——— یونہی آسانی کے ساتھ؟ ——— مجھے یقین نہیں کہ فیلڈ مارشل عبدالحکیم عامر مجھے جانتا ہو ——— یہ لوگ مجھ سے اس قدر شدید نفرت کیوں کرتے ہیں ——— میں نے اُن کا آخر کیا بگاڑا ہے؟"

ماضی کی یادیں ذہن میں گردش کرنے لگیں۔ میری آرزوئیں اور امنگیں، میرے سہانے خواب اور حسین تمنائیں، میرا شوق مطالعہ اور وہ بے پناہ کیف جو مجھے کسی نئی کتاب کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ——— یہ سب باتیں تسلسل کے ساتھ نظروں میں گھومنے لگیں۔ سوچا: کیا چند لمحات کے بعد یہ سب کچھ ساتھ لیے دُنیا سے رخصت ہو جاؤں گا ——— قانون کدھر گیا؟ ——— کہاں ہیں تہذیب کے دعوے؟ کدھر گئی ترقی پسندی کی رٹ؟ ——— عدل و انصاف کے بارے میں اُمید کی آخری کرن بھی دماغ سے محو ہو گئی ——— مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔ قے نے زور کیا ——— مگر اسی حالت میں میں اُس انسان کے پیچھے پیچھے چلتا رہا جو مجھے دار پر کھینچنے کے لیے لے جا رہا تھا۔

چلتے چلتے وہ شخص یکدم ٹھہر گیا۔ میں بھی ٹھہر گیا۔ میرے حواس مجھے جواب دے رہے تھے۔ کچھ اور قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میجر ف۔ ع کی آواز آئی: "مرنے سے پہلے آپ کس آرزو کی تکمیل چاہتے ہیں"؟ عرض کیا: "دو رکعت نماز پڑھنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تیاری کے لیے ——— زندگی کا فوری خاتمہ ہو رہا ہے۔ میں ملاقات کی تیاری کر کے نہیں چلا تھا۔"

نماز؟ کیا نماز؟ میجر بولا۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ سرافگندگی کی اجازت؟

نہیں، نہیں۔ ہم نماز کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ بات ہمارے اختیارات کے دائرے میں نہیں ہے۔

اس کے بعد پھانسی لگنے والا اور پھانسی دینے والے دونوں انسان کچھ اور آگے بڑھے۔ کچھ مزید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیش قدمی کے بعد ایک شخص، جسے میں نہیں جانتا، مجھ پر پل پڑا۔ میری آنکھوں پر پٹی تھی اس لیے میں اُسے دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اُس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ مجھے دھڑام سے زمین پر دے مارا، اور یکا یک میرے ہاتھ پشت کے بل لوہے کی زنجیر میں باندھ دیے گئے۔ خلاف توقع اب میرے دل سے خوف و ہراس اور رنج و غم کے احساسات یکدم کافور ہو گئے ——— محسوس ہوا کہ اب آخری گھڑی آگئی۔ چند لمحات کے اندر ذبح کر دیا جاؤں گا۔ (دار پر کھینچنے کے بجائے تیز دھار آلات سے بھی انسان ذبح کیے جاتے رہے ہیں) ——— دنیا کے اندر میرے خاتمہ کا یہ عظیم الشان ڈھب ہوگا ——— اب قتل ہوا چاہتا ہوں، اب قتل ہوا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و رضا کے دامن میں جھومتا جھومتا اُس کے حضور پہنچا چاہتا ہوں .... الی الرفیق الاعلیٰ .....“

مگر اس آدمی نے مجھے اُٹھا کر کھڑا کر دیا۔ پھر یہ لوگ مجھے سیڑھیوں کے ذریعے اُوپر کہیں لے چلے۔ پٹی کے نیچے سے جو تھوڑی سی روشنی جھلک رہی تھی اُس کی مدد سے میں نے جگہ کو سمجھنے کی کوشش کی۔ مجھے ایک جگہ کھڑا کر دیا گیا۔ یہ ایک پتھروں کی بنی ہوئی گلی تھی جو سیڑھیاں ختم ہونے پر شروع ہو گئی۔ اس کے بعد مجھے آگے بڑھنے کا حکم ملا۔ آہستہ آہستہ۔ یہ انداز دل میں خوف اور دہشت پیدا کرنے والا تھا ——— اس گلی کے اندر میں کافی چلتا رہا، اور پھر مجھے حکم ملا کہ رک جا۔ پٹی کے ایک تنگ سوراخ میں سے میری نظر میرے قدموں پر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ ایک عمیق غار کے بالکل کنارے پر کھڑا ہوں۔ اور اب ایک معمولی سا دھکا بھی اس غار میں گرانے کے لیے کافی ہے جس کی میرے خیال کے مطابق کوئی تہ نہیں ہے۔ میرے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال دیا گیا۔

ایک فوجی افسر عصام الشوکی[۱] میری طرف بڑھا۔ اور مجھے کہنے لگا کہ میں اپنی آخری جو دُعا تلاوت کرنا چاہتا ہوں کر لوں۔ کیونکہ اگلے جہاں منتقل ہو جانے کی گھڑی آپہنچی ہے۔ میں بڑی دلسوزی اور لجاجت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگنے لگا کہ میرے گناہ معاف کر دیے جائیں۔ اب بے شک یہ بندۂ ناچیز تیری عظیم بارگاہ میں حاضر ہوا چاہتا ہے۔ زندگی میں مجھ سے جتنے گناہ صادر ہوئے تھے وہ اس وقت مجھے یاد آگئے۔ اس حالت میں ان گناہوں کو یاد کر کے میں سخت مغموم ہوا۔ اور یہ آرزو کرنے لگا کہ اگر مجھے کچھ اور مہلت مل جاتی تو گناہوں

---

[۱] طرہ کی جیل میں ہمیں یہ خبر ملی تھی کہ عصام الشوکی ۱۹۶۸ء میں ہوائی جہاز کے حادثہ میں ہلاک ہو گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مکمل پرہیز کرتا۔ اور جو کچھ کر چکا ہوں ان کی تلافی کرتا۔ اے میرے خدا، میرے رحیم و کریم مالک بس تیری رضا درکار ہے۔

ڈھیلا ڈھالا پھندا جو میرے گلے میں ڈال دیا گیا تھا اسے زور سے جھٹکا دیا گیا۔ میرے قدموں کے نیچے گہری اور تاریک غار تھی۔ دُور کہیں تازیانے برسنے کی صدائیں کان میں پڑ رہی تھیں جن کے ساتھ دردانگیز اور جگر دوز چیخیں اُٹھ رہی تھیں اور میرے ارد گرد کی فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔ لیکن یہ سب باتیں میرے اندر کوئی خوف و ملال پیدا نہ کر رہی تھیں۔ مجھے صرف یہ فکر دامن گیر تھی کہ میں ایسے ڈھب میں اللہ کے دربار میں حاضری دوں کہ اس کی طرف سے میری مغفرت کا حکم صادر ہو جائے۔

جس ڈھب سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے

جان تو آنی جانی ہے جان کی کوئی بات نہیں!

مجھے اپنی والدہ ماجدہ یاد آئی، بہنیں یاد آئیں، دوست احباب یاد آئے، وہ سب یاد آئے جو مجھ سے تعلق رکھتے تھے ——— اور پھر فضائے آسمانی سے یکایک نرم نرم، سکون بخش اور کیف آور جھونکے آئے، جنہوں نے مجھے پوری طرح لپیٹ میں لے لیا اور عالم بیخودی میں میری زبان پر دعا و استغفار جاری ہو گیا۔

طویل عرصہ تک اسی عجیب و غریب کیفیت میں میں اپنی جگہ بُت بنا کھڑا رہا۔ مختلف چہرے میری خیالی دنیا سے اٹھکھیلیاں کر رہے تھے۔ ہر جگہ اور ہر رنگ کے چہرے۔ مجھے معلوم ہوا کہ میرے پاؤں اب مجھے اُٹھائے رکھنے کی قدرت کھو بیٹھے ہیں۔ گردن میں پڑا ہوا پھندا سخت کسا ہوا تھا۔ اس سے میرا گلا گھٹا جا رہا تھا۔ اُدھر برابر انسانی چیخوں اور تازیانوں کی ضربوں کی آوازیں بگولے بن بن کر مجھ سے ٹکرا رہی تھیں۔ اور پاؤں کے نیچے عمیق اور اندھی غار منہ کھولے مجھے تک رہی تھی۔ ایک افسر میرے نزدیک آیا اور پھنکارتے ہوئے مجھے حکم دیا کہ "غار میں چھلانگ مارو" ——— میں نے اُسے کہا: "تم مجھے اس میں دھکا دے سکتے ہو، میں خود اس میں چھلانگ نہیں لگاؤں گا" وہ چلایا: "میں کہہ رہا ہوں چھلانگ مارو۔ فیلڈ مارشل کا حکم ہے"۔ مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ اور میں مدہوشی کے عالم میں آگے لڑھکا۔ اور یکایک بلندی سے پستی میں جا گرا۔ میرے اور غار کی تہ کے مابین صرف تین گز کا فاصلہ تھا۔ در اصل وہ ایک گڑھا تھا جسے قوتِ تخیل نے ایک عمیق، اندھے اور جان لیوا غار کی صورت میں میرے ذہن میں پیوست کر رکھا تھا۔

خستگی کی حالت میں مجھے گڑھے سے نکال کر ایک کمرے میں لے گئے جہاں چیخوں کی آوازیں قریب سے

© rasailojaraid.com

قریب تر ہو گئیں۔ میری آنکھوں سے پٹی کھول دی گئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے سامنے میجر ف۔ع اور لیفٹیننٹ عصام الشو کی بیٹھے ہیں۔ میجر ف۔ع نے کہا: "تمہاری قسمت اچھی نکلی۔ انٹیلی جنس کی طرف سے ابھی ابھی احکام آئے ہیں کہ تمہاری سزائے موت کو سردست ملتوی کر دیا جائے۔ اور وہ تھوڑی دیر تک اس فیصلے کی تفصیل سے ہمیں مطلع کریں گے"۔ کچھ عرصہ فضا پر سکوت طاری رہا۔ پھر میجر مجھ سے کہنے لگا:

تمہارے پاس جو معلومات ہیں اُن سے ہمیں مطلع کرنا پسند کرو گے؟

میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟

میں نے پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

اُس نے مجھے لکڑی کی کرسی پیش کی اور مجھے اس پر بیٹھنے کے لیے کہا، اور سگرٹ میری طرف بڑھایا۔ اور پھر اُسے خود ہی میرے لیے سُلگایا۔ میں انگشت بدنداں تھا۔ مگر جلد ہی میری حیرت زائل ہو گئی، اُس نے قلم اور کاغذ میری طرف بڑھایا اور کہا: "اب تم اقرار نامہ تحریر کرو گے"۔ —— میں سراسیمہ ہو گیا۔ کس بات کا اقرار؟ بولا: "میں لکھواتا جاتا ہوں اور تم لکھو —— تمہاری سابقہ گفتگو کی روشنی میں ہی بیان لکھواؤں گا"۔ میں نے دل میں اُس کی اس پیشکش کا شکریہ ادا کیا۔ یہی کیا کم ہے کہ اُس نے تعذیب و توہین سے میری جاں بخشی کر دی ہے۔ میری تو گرفتاری کے ابتدائی لمحے سے یہی آرزو تھی کہ وہ ایسا طریقہ میرے ساتھ اختیار کرے۔ میجر نے بات کاٹتے ہوئے کہا: "یہ خیال مت کرنا کہ میں کوئی جھوٹ الزامات لکھواؤں گا جن کا ارتکاب تم نے نہ کیا ہو"۔ میں نے فی الفور کہا "معاف فرمائیے، پاشا صاحب دروغ بافی کوئی معقول طریقہ ہے؟" وہ کہنے لگا: "مسئلہ صرف اتنا ہے کہ میں تمہارے متفرق بیانات کو مرتب کر کے واضح صورت میں لانا چاہتا ہوں"۔ میں نے کہا: "مجھے یہ بات ہر لحاظ سے منظور ہے"۔

وہ لکھواتا گیا اور میں لکھتا گیا۔ چنانچہ بڑے سائز کے ۹ صفحات میں نے بھر دیے —— اس پوری کہانی کا خلاصہ یہ تھا کہ "میں نے چند دوستوں کے ساتھ مل کر حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لیے منصوبہ تیار کیا تھا"۔ اس اقرار کے بعد مجھے یقین تھا کہ یہ لوگ مجھے بیس سال سے کم سزا نہ دیں گے۔ اس لیے کہ انٹیلی جنس کے بیان کے موجب منصوبہ بالکل تیار تھا اور میری گرفتاری کی وجہ سے اُسے عملی جامہ نہ پہنایا جا سکا۔

رات چھا گئی۔ میں سپاہی کی حراست میں خوشی خوشی جیل لوٹ آیا۔ خیال ہوا کہ تفتیش مکمل ہو گئی ہے۔ اب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرے سامنے اس کے سوا کچھ نہیں رہا کہ میں مقدمہ کی سرسری کارروائی کا انتظار کروں، اور پھر سیاسی قیدیوں کی جیل طرّہ میں داخل ہو جاؤں اور وہاں چلچلاتی دھوپ کے اندر اس وقت تک خاراشکنی کی مشقت برداشت کرتا رہوں جب تک اللہ کی مرضی ہے ——— اس طرح کے خیالات مجھے خوب لبھاتے تھے کیونکہ اُن کی رُو سے مجھے اس منحوس جگہ سے آخر کار چلا ہی جانا تھا۔

بیرک میں قدم رکھا تو دیکھا کہ صبح انسانوں کی جو تعداد چھوڑ کر گیا ہوں۔ اب اُس میں بھی دو چند اضافہ ہو چکا ہے۔ جیل کا قفس نما صحن جو دیکھا تو وہ بیسیوں افراد سے بھر رہا تھا جن کے تن پر چیتھڑا تک نظر نہ آیا۔ اُن میں سے ایسے بدحال بھی تھے جو کہنیوں اور گھٹنوں کے بل چل رہے تھے، اور ایک عصا بردار انہیں ہانکے جا رہا تھا۔ کچھ افراد ایسے تھے جن کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور بالکل مادر زاد ننگے تھے اور دوڑ رہے تھے۔ اور دوڑتے دوڑتے سامنے کی دیوار سے جا ٹکراتے، اور بُری طرح اپنا سر خود ہی پھوڑ بیٹھتے۔ اگر کوئی گر جاتا تو اُٹھ کر پھر دوڑنے لگتا۔ دوسرا منظر یہ تھا کہ کچھ لوگ لوہے کی سلاخوں والی دیوار کے ساتھ ننگ دھڑنگ لٹکے ہوئے ہیں۔ گویا وہ صلیب پر چڑھے ہوئے ہیں۔ اور ان کی آنکھیں بند ہیں ——— خدایا! کیا یہ انسان ہیں؟ ——— انسانیت کہاں گئی؟ ——— میں بیرک کے ایک کونے میں جہاں جگہ ملی جا گرا اور گہری نیند سو گیا۔

تفتیشی کارروائیوں کے نتیجے میں بدن چور چور تھا، اسی غنودگی کی حالت میں صبح آنکھ کھلی۔ بیرک کے ساتھی میرے گرد جمع ہو گئے اور مجھ سے حالات دریافت کرنے لگے: کیا کچھ گزری؟ کیا کیا پوچھا گیا؟ آپ نے اس کا کیا جواب دیا؟ بعض سادہ دل حضرات نے یہ سوال بھی کیا کہ ہم سب کس روز گھروں کو جا رہے ہیں؟ ——— بیرک نظربندوں سے لبالب بھر رہی تھی۔ ان کی کثرت کی وجہ سے صورتِ حال بہت ناگفتہ بہ ہو گئی۔ ہمارے کھانے کی طرف اب منتظمین کو زیادہ توجہ نہ رہی۔ کئی کئی گھنٹوں کی تاخیر سے کھانا آتا۔ اور کھانے میں گوشت اس نوعیت کا ہوتا تھا کہ ناک اُس کی سڑاند برداشت نہیں کر سکتی تھی اور مضبوط سے مضبوط دانت اُسے چبانے کی سکت نہ رکھتے تھے۔ ہم صابون سے اُسے دھو لیتے تا کہ کچھ نہ کچھ بدبو جاتی رہے اور پھر منہ میں رکھ کر اُسے چوستے رہتے۔

اُن سیاہ دنوں کی بات ہے کہ ستمبر کے مہینہ میں کئی نابالغ بچے بھی جیل میں آ گئے۔ یہ تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ جیل کے حالات دیکھ کر مارے خوف کے ہر لمحہ اُن کی بتیسی بجتی رہتی تھی۔ رسوچیے چھوٹے چھوٹے بچے

© rasailojaraid.com

اد۔ ان پہ آلام وشدائد کے یہ پہاڑ۔ نظربندوں میں جو سن رسیدہ بوڑھے تھے وہ بھی اس قدر ناتواں کہ نقل و حرکت سے بھی عاجز۔ وہ ہر وقت قرآن کریم کی تلاوت اور اللہ تعالیٰ سے دعا و مناجات میں لگے رہتے کہ اللہ انہیں اس بڑھاپے میں استبداد و تعذیب کے دیو سے محفوظ رکھے۔ بہرکیف جس شخص کو بھی "تفتیش" کے لیے طلب کیا جاتا یہ بزرگ بوڑھے فوراً اس کے حق میں سورۂ اخلاص کی تلاوت کرنے لگتے۔ ان کی پتھرائی ہوئی آنکھوں اور خوف زدہ چہروں سے برابر حزن و ملال اور غم و اندوہ کا دھواں اٹھتا رہتا تھا۔ ان بزرگوں کی اکثریت تفتیش کے لیے ایک مرتبہ بھی پیش نہیں ہوئی۔ مختلف جمعیتوں سے ان کا تعلق تھا۔ اور یہ سب نہ سیاسی شعور رکھتے تھے اور نہ سیاست میں ان کا کوئی عمل دخل تھا۔ وہ اس پر محو حیرت تھے کہ یہاں وہ کیوں لائے گئے ہیں۔ معاملہ صرف خوف و دہشت تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ اس سے بھی زیادہ نازک اور سخت تھا۔ افکار کی گوناگونی اور نظریات کی بوقلمونی کے باوجود ان حضرات کو خوف، بھوک اور کرب نے شیر و شکر کر رکھا تھا —— اور وہ ایک دریا اور مقدس رشتے میں منسلک ہو کر یک جان بن چکے تھے۔

(باقی)